عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

(۶)

۲- عمل صالح

عروج وبقار کا دوسرا اصول "عملِ صالح" ہے قرآنِ حکیم میں جس حقیقت کو عملِ صالح سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے چند ظاہری مراسم واعمال اور چند رواجی نیکیاں مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم اخلاقیت اور مادیت کے ہر شعبہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے یعنی ایمانیات کو بروے کار لانے کے لئے جن جن تدبیروں اور صلاحیتوں کی طرف داعیِ انقلاب ؐ نے توجہ دلائی ہے اور ارتقار کے نتیجہ میں حالات وزمانہ کے تقاضے کی مناسبت سے قومی زندگی کے عروج کے لئے جن جن چیزوں کی واقعی ضرورت ہے وہ سب عدل واعتدال کے ساتھ اور مقررہ حدود وقیود کے مطابق اس کی فہرست میں داخل ہیں خواہ ان کا تعلق اخلاقیت سے ہو یا مادیت سے جسمانی طاقت سے ہو یا روحانی طاقت سے اس کی تفصیل یہ ہے۔

عملِ صالح کی بنیاد روح کی تہذیب اور نورِ ایمانی پر ہے

عمل کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جس کا تعلق انسان کی اندرونی زندگی سے ہے اس سے انسانی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے[عہ]۔

عہ شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے عمل کے اس حصہ کو نہایت بلیغ پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے۔
کن مع الحق بلا خلق ومع الخلق بلا نفس حق کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہو کہ اس میں مخلوق کا درمیان نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہو کہ اس میں نفس کا بیچ نہ ہو (اخلاق وفلسفۂ اخلاق)
یعنی سیرت کی تشکیل اتنی بلند پیمانہ پر کی جائے کہ تعلق باللہ کے مظاہرہ میں مخلوق کسی حیثیت سے اور کسی درجہ میں رکاوٹ نہ بن سکے اسی طرح تعلق بالخلق کے مظاہرہ میں اپنی ذات حائل نہ بننے پائے ۱۲

۲۔ وہ جس کا تعلق انسان کی خارجی زندگی سے ہے اس کے ذریعہ عالم میں تصرف حاصل ہوتا ہے اس طرح عمل کا تعلق "انفس و آفاق" دونوں سے ہے اور فلاح و کامیابی ان دونوں پر موقوف ہے اسی بنا پر قرآنِ حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے لیکن جو تفصیلات بیان کی ہیں اس سے پہلے کی زیادہ اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قومی اور جماعتی زندگی میں "صالح انقلاب" برپا کرنے کے لئے پہلے کی حیثیت "بنیاد" کی ہے

یہ واقعہ ہے کہ جب تک اندرونی تبدیلی کے ذریعہ بلند نصب العین کے ماتحت اعلیٰ پیمانہ پر سیرت کی تشکیل نہ ہوگی اس وقت تک نہ "صالح معاشرہ" وجود میں آسکتا ہے اور نہ ہی عالمی تصرفات مفید عام اور دوررس نتائج کے حامل بن سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بلند نصب العین کیا ہے جس پر عملِ صالح کی بُنیاد رکھ کر سیرت کی تشکیل کی جائے؟ ظاہر ہے کہ مخلوقات میں کوئی شے نصب العین بننے کے قابل نہیں کیونکہ ساری چیزیں انسان سے فروتر اور کمتر درجہ کی ہیں، قومیت اور وطنیت بھی نہیں بن سکتی کیونکہ ان کی حدبندیاں اور جانب داریاں انسان کی پرواز میں رخنہ ڈالتی ہیں، اس کے لئے ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو سب سے بلند اور ماوراء الوریٰ ہو اور جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر مقامِ انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہراہیں کھولنے والی ہو اور انسان کو زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک کھینچنے والی ہو، یہ ہستی واجب الوجود کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں تقریبًا ہر مقام پر عمل سے پہلے ایمان باللہ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ایک طرف تو اعلیٰ مقصد اور بلند نصب العین کا تعین ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کے ذریعہ روح کی تہذیب اور نیت کی پاکیزگی ہوتی ہے اس لحاظ سے عملِ صالح کی اصل بُنیاد ان اعمال پر ہے جن کی بدولت انسان اپنے باطنی محرکات پر قابو پاتا ہے اور جمود و تعطل کی راہوں سے ہٹ کر تزکیۂ نفس کے ذریعہ اپنی سیرت کی تشکیل کرتا ہے اور

ان اعمال پر ہے جن کے ذریعہ وہ بلندی اور عالی حوصلگی پیدا ہوتی ہے جو مقامِ انسانیت کے لیے درکار ہے۔ اسی بنا پر حضرت معاذؓ سے منقول ہے

العمل الصالح الذی فیہ اربعۃ اشیاء العلم والنیۃ والصبر والاخلاص[1]

عمل صالح میں (بنیادی حیثیت سے) چار چیزیں ہیں علم، نیت، صبر اور اخلاص

اور قرآنِ حکیم میں ہے

قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا ۹۱/۱۰

وہ شخص کامیاب رہا جس نے اپنے کو برائیوں سے پاک و صاف کیا اور وہ ناکام رہا جس کو برائیوں نے دبا لیا۔

لفظ صالح میں موقع کی مناسبت سے صلاحیت کا مفہوم شامل ہے

لغوی تحقیق یہ ہے۔

صلح ضد افسد الصالح ضد الفاسد۔ القائم بما علیہ من الحقوق والواجبات ویقال ھو صالح لکذا ای فیہ اھلیۃ للقیام بہ والصلاحیۃ حالۃ یکون بھا الشیٔ صالحاً "صلح" (ماضی) افسد کی ضد ہے اور صالح (اسم فاعل) فاسد کی ضد ہے جو حقوق و فرائض ٹھیک ٹھیک قائم کرے وہ صالح ہے چنانچہ عربی کا محاورہ ہے "صالح لکذا" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص میں کسی کام کے قائم (انتظام) کرنے کی اہلیت ہو اور صلاحیت اس حالت کو کہتے ہیں جس کے پیدا ہونے کے بعد شی "صالح" بنتی ہے قاموس۔ صراح۔ المنجد۔ لسان العرب وغیرہ لغات کی تشریح سے تقریباً اسی کی تائید ہوتی ہے امام راغب کہتے ہیں

"صلاح فساد کی ضد ہے یہ دونوں اکثر استعمال میں افعال کے ساتھ مخصوص ہیں قرآن حکیم میں صلاح کہیں تو فساد کے مقابل لایا گیا ہے اور کہیں سیئۃ کے ارشاد ہے خلطوا عملا صالحا واخر سیئا

---

[1] تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۸

(ملایا انھوں نے ایک نیک کام اور دوسرا بد) اور لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا (مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد) اور الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت "تو بہت مقامات پر ہے"۔ [1] قاضی بیضاوی کہتے ہیں والفساد خروج الشیٔ من الاعتدال والصلاح ضدہ و کلاھما یعمان کل ضار و نافع [2] فساد کی حقیقت کسی شی کا حدِ اعتدال سے نکل جانا اور صلاح اس کی ضد ہے یہ دونوں ہر نفع بخش اور نقصان دہ چیزوں کو عام ہیں یعنی صلاح ہر نفع بخش چیز کو شامل ہے اور فساد ہر نقصان دہ چیز کو"

کلام عرب کے چند محاورے یہ ہیں

(۱) صلحت حال فلاں ای زال عنہ الفساد (اس سے فساد کے جراثیم زائل ہو گئے)

۲۔ ھذا یصلح لک صلاحا ای یوافقک (یہ تیری موافقت کرتا ہے)

۳۔ اصلح غیث ما افسد البرد (جس کو اولے نے خراب کر دیا تھا اس کو بارش نے دوبارہ درست کر دیا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دوسرے کی بگاڑی ہوئی چیز کو درست کرتا ہے۔

۴۔ ما لا یصلح ترکہ اصلح (جو چیز درست اور موافق نہ ہو اس کا چھوڑ دینا زیادہ درست اور موافق ہے)

۵۔ اصلح نفسک یصلح لک الناس (اپنی اصلاح کر لو لوگ تمہارے موافق ہو جائیں گے)

۶۔ لہ حظ صالح من الادب ای کثیر وافر (ادب سے اس کو بہت کافی حصہ ملا ہے)

۷۔ اتتنی صالحۃ من فلان ای نعمۃ وافرۃ او حسنۃ عظیمۃ (فلاں شخص کی طرف سے ایک بڑی نعمت یا بڑی نیکی حاصل ہوئی)

۶ اور ۷ کو چھوڑ کر جہاں صالح اور صالحہ کا لفظ بطور کنایہ استعمال ہونے کی بنا پر اس کے اصلی معنی مقصود نہیں ہیں بقیہ اوپر کی تمام تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی

---

[1] لغات القرآن ج ۴ [2] بیضاوی ص ۲۹

ہے کہ کلامِ عرب میں صالح کا لفظ جس موقع پر جس کام کے سلسلہ میں بولا جاتا ہے وہاں اس کی مناسبت سے صلاحیت اور موافقت مراد ہوتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں اس کا ثبوت ملتا ہے

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

لئن اٰتیتنا صالحا	"اے اللہ اگر آپ ہمیں ایک تندرست بچہ عطا
لنکونن من الشکرین فلما اٰتھما	فرمائیں تو ہم دونوں آپ کے شکر گذار ہوں گے پھر
صالحا جعلا لہ شرکاء فیما اٰتھما	جب اللہ نے انھیں ایک تندرست بچہ دے دیا
۱۸۹/ ۷	تو وہ اس میں دوسری ہستیوں کو شریک کرنے لگے

اس آیت میں اللہ رب العزت نے والدین کے جذبات کا ذکر کیا ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے بالعموم ان کی یہ دعا اور تمنا ہوتی ہے کہ میرا بچہ صحیح و سالم اور تندرست و خوبصورت ہو، اس کے اعضاء اور جوڑ بند اور صورت شکل وغیرہ سب درست ہوں۔ والدین کے اس مفہوم کو "صالح" کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ یہاں صالح کا وہی مطلب ہو سکتا ہے جو والدین کے جذبات اور بچہ کی مناسبت سے بن سکتا ہے چنانچہ مفسرین نے اس کا ترجمہ سویًّا قد صلح بدنہ اور ولداً ذکراً وغیرہ الفاظ سے کیا ہے جس سے صلاحیتِ ظاہری یعنی بدن اور جسم کی صحت مراد لی ہے[۱]۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد	اور زمین کی درستگی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ
اصلاحھا ۵۶/ ۷	

یہاں دعوتِ حق کے ظہور کو اصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے قلوب اور ان کے اعمال و افعال میں صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

حدیث میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے

حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے
ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے

---

[۱] احکام القرآن ج ۳ ص ۶۴ جلالین ص ۱۴۴ مدارک ص ۶۸

اونٹ کو دیکھ کر فرمایا

اتقوا اللہ فی ھذہ البھائم المعجمۃ فارکبوھا صالحۃ واترکوھا صالحۃ[1]

ان گونگے جانوروں کے بارے میں تم اللہ سے ڈرو توی اور تندرست ہونے کی حالت میں ان پر سواری کیا کرو اور اسی حالت میں انھیں چھوڑ دیا کرو (ایسا نہ ہو کہ جب وہ تھک تھکا کر سواری وبار برداری کے قابل نہ رہ جائیں اس وقت انھیں چھوڑو)

ظاہر ہے کہ یہاں جسمانی صحت کا ذکر ہے اور اس کے لئے صالحہ کا لفظ لایا گیا ہے اسی طرح ایک مشہور حدیث میں آپ نے فرمایا۔

ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلح صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (الحدیث)

انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو پورا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو پورا بدن خراب ہو جاتا ہے وہ لوتھڑا انسان کا دل (باطنی محرکات کا سرچشمہ) ہے

اس حدیث میں قلبی و روحانی اور پھر اعمال و افعال کی صلاحیت بیان ہوئی ہے اوپر کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ "صلح" میں صلاحیت کا مفہوم بھی شامل ہے نیز یہ بات کہ صلاحیت کی دو قسمیں ہیں (۱) مادی وجسمانی (۲) اور معنوی و روحانی جہاں جیسا موقع ہوتا ہے اس کی مناسبت سے صلاحیت کے معنی لئے جاتے ہیں۔

قومی اور جماعتی زندگی میں "صلح" سے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں مراد ہیں

چوں کہ قومی اور جماعتی زندگی میں صلاحیت کے لئے مادیت اور روحانیت دونوں ضروری ہیں ان میں کسی ایک سے بے اعتنائی خودکشی کے مرادف ہے اس لئے قرآن حکیم میں جہاں کہیں قیام

[1] مشکوٰۃ

وبقاء اور خلافت ونیابت کے سلسلہ میں صالح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں مذکورہ دونوں قسم کی صلاحیتیں مراد لی گئی ہیں۔

(۱) ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصٰلحون ۲۱/۱۰۵

اور ہم نے زبور میں ذکر ونصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت (حکومت) میرے صالح بندوں کے حصہ میں آئے گی ؏

۲- وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ۲۴/۵۵

تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے اور عملِ صالح کئے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں خلیفہ (حاکم) بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اسی بنا پر خلیفہ بنا چکا ہے اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ جمادے گا اور خوف کے بدلے انھیں امن عطا فرمائے گا۔

اس موقع پر ایمان وعملِ صالح کے نتیجہ میں تین وعدہ مذکور ہیں۔

۱- صالح بندوں کو حکومت ملے گی۔

۲- اپنے تصورات وآئینِ حیات پر آزادی اور قوت کے ساتھ عمل کرسکیں گے

۳- ہر طرف سے امن اور بے خوفی کا دور دورہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کارخانہ کا مالک کسی ناقابل شخص کو کارخانہ کا انتظام نہیں سپرد کرتا ہے تو اس بات کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ دنیا کے کارخانے کا انتظام کسی نااہل کے سپرد کیا جائے۔ جب زندگی کے ہر گوشہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ انسان جس درجہ کی چیز کا طلبگار

؏ زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے مثلاً زبور ۳۷ میں ہے بدعمل کاٹ ڈالے جائیں مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں زمین کو میراث میں لیں گے قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے (۳۷: ۹) از ترجمان القرآن جلد ثانی ۴۹۲

ہے اس کی مناسبت سے صلاحیت پیدا کرنا ضروری ہے تو قوموں کے قیام و بقا اور حکومت و نیابت کے معاملہ میں یہ اصول کیوں کر فراموش ہوگا؟ اور اس کی تیاری کئے بغیر اہلیت و صلاحیت کی کیسے سند مل جائے گی؟

جدید دنیا نے اس صلاحیت کے لئے عالمی تصرفات پر زور دیا ہے اور تشکیلِ سیرت کے معاملہ میں ناقابلِ معافی حد تک غفلت سے کام لیا ہے اور قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے لیکن سیرت کی تشکیل کو بنیاد قرار دیا ہے دونوں کے پیش کئے ہوئے نظریۂ بقاء اصلح میں یہی بنیادی فرق ہے۔

قرآن حکیم نے تشکیلِ سیرت پر تفصیلی بحث کی ہے اور عالمی تصرفات میں مرکز متعین کر کے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے

چوں کہ تشکیلِ سیرت کا نظام چند ابدی حقائق اور ناقابلِ تغیر اخلاقی قوانین پر قائم ہے اس لئے اس پر ہر حیثیت سے تفصیلی بحث کی جا سکتی ہے اور قرآن حکیم نے کی ہے اور عالمی تصرفات انسان کی غیر محدود خواہشوں اور اس کی نئی نئی ضرورتوں کی بناء پر بے حد متنوع اور معاشرہ کے ارتقاء کے ساتھ بدلنے والے ہیں اس لئے اس بارے میں صرف مرکز متعین کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور حالات و زمانہ کے تقاضے کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے چنانچہ بے شمار مقامات میں اس نے حقائقِ موجودات۔ محاسنِ کائنات مناظرِ قدرت مظاہرِ فطرت اور تسخیرِ کائنات کا ذکر کیا ہے اور بہت سی آیتوں میں زمین۔ پہاڑ دریا۔ نہریں۔ پھل۔ کھیت۔ سورج۔ چاند۔ ابر۔ بارش۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا۔ پانی وغیرہ کے تذکرہ کے بعد اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ یہ ہست و بود کی ساری نیرنگیاں تمھارے (انسانوں) لئے ہیں تم ان سے فائدہ اٹھاؤ اور ان میں غور و فکر کر کے صناعِ فطرت کی گل کاریوں کا راز افشار کرو اور اس طرح دنیا کے باغ کو سجانے میں اپنے آپ کو ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے مفید بناؤ۔

یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر مقام پر تعقلون۔ تفکرون۔ تدبرون۔ تذکرون۔

تنظرون وغیرہ الفاظ کے ذریعہ تامل وتفکر۔ تدبر وتذکر کی طرف رغبت دلائی گئی ہے جس سے معاشرہ کے ارتقار کی راہیں کھلتی ہیں اور انسان اپنی عقل سے کام لے کر حقیقی معنوں میں نیابت الہٰی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

قرآن حکیم نے عالمی تصرفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کو ایک مرکز کے ماتحت اور ضمیر ووجدان کے مدرسہ میں عقل کی تربیت کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ بے لگام عقل وہوس کی موشگافیاں اور سرمستیاں انسان کو بسا اوقات انسانیت کی بلندی سے اُتار کر حیوانیت کی پستی میں دھکیل دیتی ہیں اور پھر یہی ساری چیزیں تمدن کے لئے مفید ہونے کے بجائے اس کی دشمن ثابت ہوتی ہیں۔

دنیا کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سب سے اہم اور مشکل کام انسانی فکر وعمل کے صحیح حدود مقرر کرنا رہا ہے اس کے بغیر نہ زندگی میں توازن قائم ہو سکا ہے اور نہ عقل وہوس کے غلو سے اجتناب کیا جا سکا ہے اس بنا پر قرآن حکیم نے پہلے مرکز متعین کر کے قلب وروح کو صاف اور بیدار کیا اور پھر عقل کو میدان میں اُترنے کا حکم دیا۔

جیسا کہ ارشاد ہے

قُلْ انما اعظکم بواحدۃ ان	آپ کہہ دیجئے کہ میں تمھیں ایک بات سمجھاتا ہوں
تقوموا للّٰہِ مثنیٰ وفرادیٰ ثم	وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ ایک ایک دو
تتفکروا ۳۴	دو اور پھر تفکر وتدبر کرو

عالمی تصرفات کے سلسلہ کی چند آیتیں

عالمی تصرفات کے سلسلہ کی چند آیتیں یہ ہیں

قل من حرم زینۃ	اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہئے کہ اللہ کی زینتیں عہ
اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت	(جائز لذات) جو اس نے بندوں کے برتنے کے
من الرزق قل ھی للذین امنوا	لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴)

عہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں دھی خالصۃ یوم القیمۃ لھم من شوائب التنغیص والتکدیر

فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ ﴿۷ / ۳۲﴾	حرام کی ہیں؟ آپ کہئے کہ یہ نعمتیں تو اسی لئے ہیں کہ اس دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے کام آئیں اور قیامت کے دن یہ تکدر کی آمیزش سے خالص ہوں گی عہ

اس آیت میں جس قدر غور کیجئے حقیقت کھلتی جائے گی خدا پرستی کا تقاضا ترکِ دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا اور اس کی نعمتوں کو ٹھیک ٹھیک کام میں لانا عین خدا پرستی ہے، کھانا پینا، زینت و آسائش کی چیزوں کا استعمال کرنا اس کا نام دنیا نہیں ہے بلکہ حق تلفی کرنا، حد سے گذر جانا، غرور میں مبتلا ہو جانا، غافل ہو جانا اور بے اعتدالانہ استعمال کرنا اس کا دنیا نام ہے اور یہی صورتیں مذموم ہیں، قرآن انھیں سے روکتا ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد   اگر دارد برائے دوست دارد

اور

گر گدا خواہد زمن سلطانِ دیں   خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

۲- ولقد مکنٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معائش قلیلا ما تشکرون	ہم نے تمہیں زمین میں قدرت و طاقت اور اختیار کے ساتھ بسایا اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان مہیا کئے مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر گذار ہو۔

عہ علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں

آدمی کے لئے مباح اور جمیل لذتیں بھی ضروری ہیں کیوں کہ وہ ان امور پر مددگار ہوتی ہیں اسی بنا پر فقہا نے فرمایا ہے کہ عدالت زینت اور دین کی درستی کا نام ہے اور زینت سے مراد ان چیزوں کا استعمال ہے جو آدمی کو جمیل اور مزین بنا دیں اور گندگی و ناپاکی سے دور رکھ کر نظافت سے موصوف کریں حضرت ابودرداء صحابی فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے آپ کو باطل سے بچاتا ہوں تاکہ حق پر اس سے مدد لوں خدائے حکیم و برتر نے لذات کو شہوات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ خلق کی فلاح و بہبود یا یہ تکمیل کو پہنچ جائے . . . . اور شہوات میں سے وہ چیزیں حرام کر دیں جو ہمارے لئے ضرر رساں تھیں اور اس شخص کی مذمت فرمائی جو ہوائے نفس کا غلام بن جائے۔ (سیاست الٰہیہ صفحہ ۱۸۰)

۳- فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ۶۲/۱۱ — جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کی دی ہوئی روزی تلاش کرو۔

۴- وجعلنا لکم فیہا معائش ومن لستم لہ برازقین ۱۵/۱۹ — اور ہم نے تمہارے لئے معیشت کا سروسامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لئے بھی کر دیا جن کے لئے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو۔

۵- وان لیس للانسان الا ما سعیٰ ۵۳/۱۴ — انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

قرآنی زندگی کا صحیح تصور دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے

صحیح قرآنی زندگی کا نقشہ اس آیت میں کھینچا گیا ہے

۱- ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اولئک لہم نصیب مما کسبوا ۲/۲۵ — اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے ایسے ہی لوگ ہیں (جو اس طرح دعا مانگتے ہیں) جنہیں ان کے عمل کے مطابق دنیا اور آخرت کی فلاح میں حصہ ملتا ہے

جہاں تک قومی جد و جہد اور اس کے عمل کے نتیجہ کا تعلق ہے اس کے لئے قدرت کا ٹھہرایا ہوا یہ قانون مقرر ہے۔

۲- نوف الیہم اعمالہم ۱۱/۱۵ — کوشش و عمل کے نتائج ہم پورے پورے دیتے ہیں

اس سے بحث نہیں کہ عمل کرنے والی قوم طالب دنیا ہے یا طالب دنیا و آخرت اگر کوئی قوم آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی کی خواہش مند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی جد و جہد بے کار جائے بلکہ وہ جیسی کوشش کرے گی اس کے مطابق نتیجہ حاصل کرے گی البتہ ایسی صورت میں اس کے لئے آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔

۳۔ اولٰئک الذین لیس لھم فی الاخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون ۱۱/۱۶	یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کی زندگی میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا جو کچھ انھوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا۔ اور جو کچھ کرتے رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے۔
۴۔ للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ولدار الاخرۃ خیر ولنعم دار المتقین ۱۶/۳۰	جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لئے اچھائی ہے اور یقیناً (ان کے لئے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے۔
۵۔ فاٰتٰھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرہ ۳/۱۴۴	اللہ نے انھیں دنیا کا ثواب دیا اور آخرت کا بہترین ثواب دیا۔

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، عزت و دولت، حکومت و سلطنت ہے جو ایمان و عملِ صالح کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۲/۲۸	وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

(باقی آئندہ)

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امام حدیث علامہ ابن عبدالبر کی شہرۂ آفاق کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے۔ مترجم کتاب مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اس دور کے بے مثال ادیب اور مترجم سمجھے جاتے ہیں۔ موصوف نے یہ ترجمہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا جو ندوۃ المصنفین نے شائع کیا گیا ہے۔ علم اور فضیلتِ علم کے بیان، اہلِ علم کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے آج تک کوئی کتاب اس مرتبہ کی شائع نہیں ہوئی۔ اس متبرک کتاب کی ایک ایک سطر سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے۔ ایک زبردست محدث کی کتاب اور ملیح آبادی صاحب کا ترجمہ، موعظتوں اور نصیحتوں کے اس عظیم الشان دفتر کو ایک دفعہ ضرور پڑھئے۔ صفحات ۳۰۰ بڑی تقطیع قیمت چار روپے آٹھ آنے مجلد پانچ روپے آٹھ آنے۔